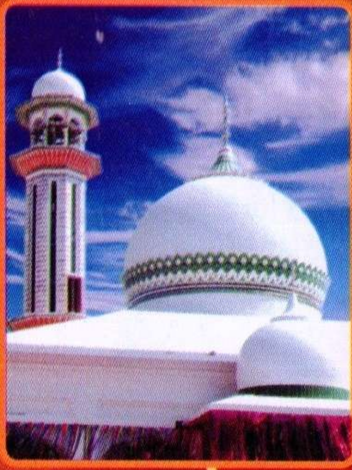
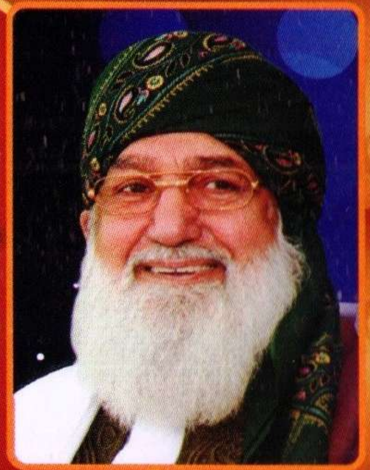
سیرت کی تعمیر قلوب کی تطہیر کا مؤثر لائحہ عمل





مجلہ محی الدین فیصل آباد

جلد نمبر 5 شمارہ نمبر 3

صفر المظفر
1440ھ 2018ء

مسلسل اشاعت کا پانچواں سال

خدائے لم یزل کا عرفان



سیرت
امام احمد رضا علیہ الرحمۃ

تصوف کا مفہوم اور خانقاہی نظام



سیرت
مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ

حضور شیخ العالم کا مجلہ محی الدین فیصل آباد

مراقبہ ...... دُرِّ نایاب

منافرت کی تباہ کاریاں

مولیٰ کا نام

m.mohiuddin.fsd.pk@gmail.com
mujallah mohiuddin faisalabad

سیرت کی تعمیر قلوب کی تطہیر کا مؤثر لائحہ عمل

نقیب صبح سعادت

مجلہ محی الدین فیصل آباد

جلد نمبر 5 صفر المظفر 1440ھ 2018ء شمارہ نمبر 3

اس شمارہ میں

رابطہ نمبرز 041-2636130 0321-7611417

ناشر
صدیقیہ پبلیکیشنز فیصل آباد

رابطہ آفس
فاروق آرٹس
سیکنڈ فلور وکیلانوالی گلی نمبر 4-5 کچہری بازار فیصل آباد

اداریہ

حضور شیخ العالم کا مجلہ ''محی الدین''

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

معزز و محترم قارئین گرامی السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

اُمید کرتا ہوں کہ آپ جان و امان کی اعلیٰ حالت میں ہوں گے۔ مجلّہ ''محی الدین'' کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس لگن اور پیار سے آپ اس کا مطالعہ فرماتے ہیں مجھے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہنا ہے کہ مجھ عبد ضعیف کو میرے مرشد کریم حضرت خواجہ پیر علاؤ الدین صدیقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے پانچ سال پہلے یہ سعادت بخشی اور مجھے مجلّہ شائع کرنے اور پھر اُس کو شرق و غرب، شمال و جنوب عام کرنے کے لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں جملہ برادرانِ طریقت کو ترغیب دی وہاں مجلّہ کو ایک نشست میں از خود (10) روپے ھدیہ لے کر حاضرین کو دیا۔

یہ مجلّہ ''محی الدین'' خالصتاً اشاعت علم کے لیے شائع کیا جاتا ہے۔ صاحبان علم کے قیمتی مضامین قارئین کے لیے اصلاح اعمال و احوال کا ذریعہ بنتے ہیں۔ مرشد کریم رحمۃ اللہ علیہ کے وصال باکمال کے بعد آپ کے عرس مبارک کے موقع پر ''حضور شیخ العالم نمبر'' بھی مجلّہ ''محی الدین'' کا اعزاز ہے۔

دربار فیضبار نیریاں شریف کے سجادہ نشین مرشد کریم کے لختِ جگر فیضان صدیقی و مثنوی کی تقسیم میں مصروف عمل حضرت علامہ الحاج پیر محمد نور العارفین صدیقی صاحب نے مجھے بجھے ہوئے دلوں کو، مرشد کریم کے غلاموں کو، وصال مرشد کے بعد محبت و شفقت کا تسلسل فرمایا، بے قرار دلوں کو قرار ملا۔ مضطرب مریدوں کو اطمینان ملا تو خدمات اسلام کے وہ جذبات جو مرشد کریم نے اپنے عقیدت منداحباب کو عطا فرما رکھے تھے، اُن میں جلا آئی۔ ٹھنڈی ہوا آئی، تو استقامت کا حوصلہ ملا، جس سے عالم اسلام کے ہر طبقہ، علمی، ادبی، فکری، سوچ کے حامل لوگ جو مرشد کریم کے وصال کے بعد وہ رنگ و جذبے، وہ ذکر کے حلقے، وہ دروس مثنوی کی بہاریں تلاش کر رہے تھے وہ جانشین حضور شیخ العالم حضرت پیر محمد نور العارفین صدیقی صاحب نے پورے وقار کے ساتھ قاسم ہونے کا حق ادا کیا ہے۔

مجلّہ ''محی الدین'' کی چند ماہ اشاعت ناگزیر وجوہات کی بناء پر ممکن نہ ہو سکی جس کا مجھے مکمل احساس ہے۔ آپ کے خطوط، فون، میسج اور بار بار مجھے اشاعت کا فرمانا۔ میرے لیے سامانِ تسکین ہے۔ شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے مرشد کریم کے مشن کا سپاہی بننے میں حوصلہ افزائی بھی فرمائی اور اشاعت دین میں اپنا حصہ بھی شامل فرمایا۔ اس کی بہترین جزاللہ کریم آپ تمام کو عطا فرمائے۔

مجلّہ ''محی الدین'' ماہ صفر المظفر کا شمارہ جس کے مضامین کا مطالعہ اور پھر دامت ولایت سے وابستگی وسیلہ نجات ہے۔ اس کی اشاعت میں آپ کی محبت کی از حد حاجت ہے۔ آپ خود بھی پڑھیں......دوستوں میں تقسیم بھی فرمائیں۔ اگر خدمت اسلام کے لیے آپ خریدنے کی استطاعت رکھتے ہوں تو اس کا فی شمارے کا ھدیہ مرشد کریم رحمۃ اللہ علیہ نے (10) روپے مقرر فرمایا تھا۔ زیادہ خرید فرمائیں اور اپنے حلقۂ احباب میں تقسیم کریں اور اگر آپ یہ شمارہ مفت حاصل کرنا چاہیں تو یہ شرف بھی ہم حاصل کرتے رہیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

از: محمد عدیل یوسف صدیقی

خلیفہ مجاز دربار فیضبار نیریاں شریف

تصوف کا مفہوم اور خانقاہی نظام

﴿پروفیسر رائے محمد اعجاز کھرل صاحب صدیقی﴾

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام ہی دنیا کا وہ واحد دین ہے جس نے مجموعی طور پر تمام انسانیت کی چارہ گری اور دستگیری کی ہے۔ اسلام، ایمان اور احسان کی ان منزلوں کو حدیث جبرئیل میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ ہمارے آقا و مولیٰ نے بیان فرمادیا ہے جہاں اسلام کے عنوان سے شریعت، ایمان کے عنوان سے عقائد و ایمانیات اور "احسان" کے جلی عنوان کے تحت تزکیہ وتصوف کے مقامات کی جانب واضح راہنمائی کردی گئی ہے۔ تاریخ اسلام میں صوفیائے کرام نے خانقاہی نظام کی بنیاد رکھی اور اس کو پروان چڑھایا۔ "خانقاہ" درحقیقت درسگاہ صفہ کی طرح وہ تربیت گاہ ہے جہاں شیخ اپنی مرید کی روحانی واخلاقی تربیت کرتا ہے اور اسکا تعلق اللہ رب العزت کے ساتھ جوڑتا ہے۔ لہٰذا خانقاہی نظام کی اساس بھی "تعلق باللہ" ہی ہے۔ بلکہ خانقاہی نظام کا مقصد اولین ہی اللہ اور اسکے رسول کی محبت کو فروغ دینا ہے۔ صوفیائے کرام کی خانقاہیں ہمیشہ سے اللہ کے بندوں کی دادرسی، تربیت تعلیم اور ذکر وفکر کا وہ مرکز رہی ہیں جہاں سے کروڑوں تشنگان معرفت فیض یاب ہوئے اور لاکھوں گم گشتہ راہیوں کو محبت الٰہی کی منزل کا سراغ ملا۔

ہر لحہ اپنے خالق سے ڈرنا، دین کے کام کو بغیر کسی بھی دنیاوی لالچ کے سرانجام دینا، ہر دوسرے انسان کو اپنے سے بہتر سمجھنا، اپنی ذاتی کی نفی کرنا، روپے پیسے سے محبت اور نہ ہی اسے جمع کرنا، شہرت و ناموری سے بچنا، طبیعت میں نرمی اور مزاج میں عاجزی پیدا کرنا حقیقت میں یہی وہ بنیادی اوصاف ہیں جن سے مل کر تصوف کا ابتدائی خاکہ تیار ہوتا ہے۔ اللہ ولیوں کی زندگیاں انہی تعلیمات کا مظہر تھیں۔ ان کے کردار میں پاکیزگی، سیرت میں تقدس، پیغام میں اخلاص اور لہجوں میں بلا کی شفقت ہی تھی کہ جس نے تاریخ کے بہتے دھاروں کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔

مہر و محبت کے یہ پیکر، علم و آشتی کے یہ چلتے پھرتے مجسمے صلح و نرمی کے یہ جیتے جاگتے نمونے، صبر و تحمل کے یہ کوہ وقار، زہد و تقویٰ کے یہ عظیم شہکار اور عدل وانصاف کے یہ پیامبر اس دنیا

میں رہے تو اس شجر سایہ دار کی مانند کہ جو اپنوں کو بھی سایہ فراہم کرتا ہے اور بیگانوں کو بھی، جس کی چھاؤں میں دوست بھی بیٹھتے ہیں اور دشمن بھی۔ یہ جب دنیا سے گئے تو باد نسیم کے اس خوشگوار جھونکے کی مانند کہ جو جہاں سے بھی ان خلیق اور شفیق ہستیوں نے مخلوق کے دلوں اور ذہنوں پر حکومت کی۔ یہ عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز ومحور ٹھہرے مگر افسوس کہ جب دیکھا گیا کہ لوگ تو دل و جان سے ان پر فدا ہو رہے ہیں تو کچھ لوگوں نے طلب دنیا کی خواہش میں آکر روحانیت کا لبادہ اوڑھا اور پیری مریدی کے نام پر لوگوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ انہوں نے تعویز نویسی کی دکانیں سجا کر اسے کاروبار بنا لیا، غیر محرم خواتین سے میل جول اور نشت و برخاست کے علاوہ بہت سے غیر شرعی افعال کو بھی طریقت وتصوف کا نام دے ڈالا تو دوسری جانب بھی صورتحال مخدوش ہونے لگی، مسند و سجادہ کے وارثوں کو بھی ہوس زر و زمین نے اپنے اہداف سے نا آشنا کر دیا اور ہوائیں کہ وہ آستانے جہاں سے لاکھوں زندگیوں میں انقلاب بپا ہوا کرتے تھے، جہاں پر تزکیہ وتصفیہ کی منازل طے کروائی جاتی تھیں جہاں پر اتفاق واتحاد اور اخوت ویگانگت کا درس دیا جاتا تھا جہاں پر سیرت سازی کی جاتی تھی افسوس کے آج انہیں درگاہوں کے مسند نشینی وسجادہ نشینی جیسے فروعی مسائل میں الجھ کر رہ گئے۔ مریدوں کی تعداد بڑھانا ان کا مطمع نظر بن گیا۔ جائز و ناجائز طریقوں سے دولت اکٹھی کر کے جائیدادیں کھڑی کرنا ان کا مقصد حیات بن گیا۔ نمود ونمائش کی دوڑ جاہ وحشم میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا ضبط، اونچی کرسی اور امتیازی نشست پر بیٹھنے کی بچگانہ خواہش، دوسروں سے اپنی بے جا خوشامد سننے کا شوق، دوسروں کی کردار کشی اور تعلیم وتربیت سے کلیتًا دوری کے باعث انہوں نے روحانیت کے چشمہ صافی کو بھی گدلا کر دیا۔ دیکھا جائے تو آج تصوف کے یہی دعوے دار تعلیمات تصوف کی عملی طور پر نفی کرتے دکھائی دیتے۔ ان کے خیالات، احساسات، نظریات اور افکار پر خود پرستی، مال پرستی اور شہرت پرستی کے تہہ ہے۔

خانقاہی نظام کے تشکیلی عناصر میں "سادگی"، علم، عمل، تربیت اور اخلاقیات کو فوقیت حاصل ہے۔ لیکن عصر حاضر میں یہ سب عناصر خانقاہوں سے ختم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ عصر

حاضر میں ہماری اکثر خانقاہوں میں رسوم وروایات اور مظاہر پرستی کا دور دورہ ہے، جبہ ودستار، تسبیح و مصلّٰی صرف ظاہری دکھلاوے کے طور پر باقی ہے اور تصوف کی حقیقی روح اور تربیتی ماحول اکثر خانقاہوں پر موجود نہیں ہے۔ درباروں اور خانقاہوں پر موجود نہیں ہے۔ درباروں اور خانقاہوں پر میلوں، ٹھیلوں، رقص وسرود، قوالیوں، تعویذ دینے والوں اور فال نکالنے والوں کا راج ہے، مردوزن کا اختلاط اور دیگر کئی غیر شرعی امور رواج پاتے چلے جارہے ہیں، ضعف الاعتقادی اپنے عروج پر ہے، ایسے میں تصوف اور خانقاہوں کے نظام میں اصلاحات ناگزیر ہو چکی ہیں یعنی تصوف رقص، سرود، طبل بجانے، شور مچانے، بے شک تصوف تو دین کی مکمل فہم اور سمجھ بوجھ کا نام ہے کہ دین پر قابل اعتماد مصادر ومراجع کے مطابق عمل کیا جائے تصوف قرآن وسنت، اسلام میں ایسے کسی تصوف کی گنجائش نہیں جو شریعت کے احکام سے بے تعلق ہو، کسی پیر کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ نماز، روزے، حج اور زکوۃ کی پابندی سے خود کو آزاد قرار دے یا دوسروں کو آزادی کے سرٹیفکیٹ بانٹتا پھرے۔ کوئی صوفی یا پیران قوانین کے خلاف عمل کرنے کا حق نہیں رکھتا جو معاشرت اور معیشت، اخلاق اور معاملات، حقوق وفرائض اور حلال وحرام کی حدود کے متعلق اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتائے ہیں اور جن کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے۔

خلاصہ:۔ تصوف تو دراصل اللہ اور رسول ﷺ کی سچی محبت بلکہ عشق کا نام ہے۔ عشق کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی سے بال برابر بھی انحراف نہ کیا جائے، پس اسلامی تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ شریعت کے احکام کو انتہائی خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ بجالانے اور اطاعت میں اللہ کی محبت اور اس کے خوف کی روح بھر دینے ہی کا نام تصوف ہے۔

☆.........☆.........☆.........☆.........☆

اللہ کا مقرب کون؟؟؟

اللہ کے نزدیک عزت کا حامل شخص وہ نہیں جو بڑی بڑی گاڑیوں کا مالک ہو، گھر ایکڑوں اراضی پر مشتمل ہو یا لباس انتہائی قیمتی اور بہترین ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل تکریم وہ ہے کہ جو دنیاوی آسائشیں ہونے یا نہ ہونے کے باوجود اللہ کی قربت کا خواہاں ہو اور صرف اللہ کے لیے زندگی گزارے۔ وسائل کو اللہ کی امانت سمجھے۔ خود بھی مستفید ہو اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے۔

خدائے لم یزل کا عرفان

ڈاکٹر عبدالقادر غیاث الدین

چیزوں میں امتیاز اور فرق وقت کی رفتار کے سبب ہے۔ زندگی وقت کے رموز میں سے ایک راز ہے۔ اصل وقت سورج کی گردش کے سبب سے نہیں، سورج فانی اور وقت لافانی ہے۔

تصوف طرز فکر اور حیات کا ایسا نظام ہے جو قلوب واذہان کو دنیاوی آلائشوں سے پاک کر کے اخوت ومحبت، تحمل ورواداری اور بقائے باہمی کو فروغ دیتے ہوئے انسان کو اشرف المخلوقات کے درجہ سے متعارف کرواتا ہے۔ تصوف ابتدا سے ہر زمانہ میں موجود رہا ہے جس نے قلب ونظر کو آلودگی سے پاک کر کے اللہ تعالیٰ کا عرفان دیا۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیا کی خانقاہیں ہر دور میں مرجع خلائق رہی ہیں۔ صوفیائے کرام سے جہاں ذہن وفکر روشن ہوئے وہیں زبان وادب اور تہذیب وثقافت نے بھی استفادہ کیا۔

گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی میں صوفیائے کرام کو عربی، فارسی اور ترکی کی زبان پر عبور تھا، انہوں نے آفاقی پیغام عوام تک پہنچانے کے لیے تصنیف وتالیف کا کام کیا، اس سے اردو زبان کی نشو ونما صوفیانہ روایات کے زیر اثر ہونے لگی۔ یوں اردو کی بنیاد زبان اور تصوف کی مشترکہ تہذیب واقدار سے مرتب ہوئی، صوفیا نے اس میں روح پھونکی، زندگی میں توانائیاں بخشیں اور محبت ورواداری کا عنصر شامل کیا جس سے اردو زبان کو استحکام ملا۔

ہندوستان میں صوفیائے کرام کی آمد نے یہاں کی زبان اور تہذیب وثقافت کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی آمد سے باقاعدہ تصوف کی داغ بیل پڑی اور مشترکہ تہذیب کو فروغ ملا۔ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے ہندوستانی زبان میں بھی دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دیئے۔ صوفیا کا منشا خیر کی دعوت اور شر سے گریز ہے اس لیے انہوں نے عوامی زبان کو وسیلۂ اظہار بنایا اور ان کے توسل سے زبان میں مسائل تصوف در آئے۔

اردو شاعری میں تصوف کا نقطۂ آغاز یہی ہے جس نے شمالی ہند میں حضرت امیر خسرو کی آغوش محبت میں آنکھ کھولی جہاں غزل اور تصوف آپس میں متعارف ہوئے۔ یہیں سے اردو غزل حال وقال کی محفلوں، صوفیائے کرام کی صحبت میں پروان چڑھی۔ صوفیائے کرام نے اسے وسیلۂ اظہار بنا کے پیغام کو نگر نگر، گلی گلی پہنچایا۔ حضرت امیر خسرو کی کہہ مکرنیاں، پہیلیاں اور دوہے اس کا مسلّم ثبوت ہیں۔ حضرت امیر خسرو کا یہ شعر پڑھیے۔

سب سکھین کا پیا پیارا   سب میں ہے اور سب سوں نیارا

اردو شاعری کی روایت پر نظر ڈالنے سے کئی طرح کی شاعری سامنے آتی ہے ان میں سے ایک عارفانہ کلام ہے جس کا اصل مقصد دعوت وتبلیغ ہے۔ شعر کو انہوں نے محض پیغام رسانی یا قلبی واردات کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ جیسے میراں جی شمس العشاق، برہان الدین جانم، امین الدین اعلیٰ، شاہ نیاز بریلوی، شاہ تراب علی قلندر، مرزا مظہر جان جاناں، خواجہ میر درد وغیرہ۔

دوسرے وہ شاعر ہیں جو مکمل صوفی نہیں تھے تاہم مزاج میں متصوفانہ رنگ تھا جو شعری قالب میں ڈھلتا گیا جیسے ولیؔ، میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ وغیرہ۔

اول الذکر صوفیا میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، شیخ حمید الدین ناگوری، شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، بابا فرید الدین گنج شکر اور بو علی قلندر پانی پتی اور دیگر کے اشعار ملتے ہیں جو اردو زبان کی ابتدائی شکل ہے۔

اردو شاعری کے اولین نقوش گجرات اور دکن میں بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ گجرات میں شیخ بہاء الدین باجن، شاہ علی جیو گام دھنی، قاضی محمود بحری اور خوب محمد چشتی قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام صاحب حال بزرگ ہیں۔ موسیقی سے گہرا لگاؤ تھا۔ متعدد راگ راگنیاں ان کی مرہون منت ہیں۔

اردو شعر وادب کے حوالہ سے دکن کو نظم ونثر دونوں میں اولیت حاصل ہے۔ بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد جن ریاستوں نے اردو شعر وادب کو استحکام بخشا ان میں بیجاپور اور

گولکنڈہ اہم ہیں۔ بیجاپور کے صوفیائے کرام میں تین خانوادوں نے وہاں کی تہذیبی ولسانی زندگی کو بہت متاثر کیا اور عوامی زندگی پر گہرے نقوش ثبت کیے۔ ایک شیخ عین الدین گنج العلم کے مریدوں کا سلسلہ ہے، دوسرا خواجہ گیسودراز کے خلفا کا سلسلہ اور تیسرا میراں جی شمس العشاق کا سلسلہ۔ ان بزرگوں نے صوفیانہ خیالات اور راہ سلوک کے باریک نکات اردو زبان (قدیم دکنی) میں نظم کیے ہیں۔ اس عہد میں تصوف کا اثر اتنا گہرا تھا کہ عام شعرا جنھیں تصوف سے خاص لگاؤ نہیں تھا، تصوف کا رنگ اپنانے پر مجبور تھے

گولکنڈہ میں اردو شاعری کو خوب فروغ ملا۔ قلی قطب شاہ پہلا صاحب دیوان شاعر تسلیم کیا گیا۔ وجہی، غواصی اور نشاطی وغیرہ نے بھی شاعری کی جن میں روایتی اور مجازی عشق کو نمایاں ہے تاہم تصوف کا عنصر بھی موجود ہے۔

شمس العشاق میراں جی کے بعد برہان الدین جانم نے شاعری کے ذریعے وحدانیت کے فروغ میں قابل قدر کام کیا۔ وحدانیت کا ماحصل یہ ہے کہ خدائے لم یزل ہر شے میں جاری و ساری اور ہر شے پر محیط ہے۔ وہ ذرّہ ذرّہ میں جلوہ نما ہے، ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی۔ مکان و لامکان میں وہی ہے۔ برہان الدین جانم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

سب میں تو وہ دستا ہے
سب تھے الپت بستا ہے
ہر اک شے میں دیکھ بچار
محیط دسے تھارے ٹھار

شیخ غلام محمد داول، امین الدین اعلی، قاضی محمود بحری اور بعد کے ادوار میں شمالی ہند میں اردو شاعری صوفیائے کرام کے توسل سے جب ولی دکنی تک پہنچی تو زبان بہت حد تک آسان ہو چکی تھی۔ ولی نے اس بات سے فائدہ اٹھایا اور اردو شاعری کے "بابا آدم" کہلائے۔ ولی کی شاعری کا اہم رجحان تصوف ہے۔

اے ولی جب نظر میں وہ آیا
نقش سب ماسوا کے ہو گئے رحل

ولی عشق مجازی کو عشق حقیقی کا زینہ کہتے ہیں:

در وادیِ حقیقت جن نے قدم رکھا ہے
اول قدم ہے اس کا عشق مجاز کرن

تصوف کا گہرا رنگ ولی کے ہم عصر سراج اورنگ آبادی کی شاعری میں نظر آتا ہے۔ سراج کے نہاں خانہ دل میں جو ہنگامہ برپا تھا، عشق و سرمستی کا بے قرار نغمہ بن کر شاعری میں ظاہر ہوا۔ سراج کے سوزش عشق نے خیال من وتو کو خاکستر کر دیا اور "تو ہی تو" کا نعرہ بلند کیا۔ ان کی پوری شاعری تصوف ہے۔

خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی
شہِ بے خودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی
وہ عجب گھڑی تھی میں جس گھڑی، لیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق پر جوں دھری تھی تیوں دھری رہی
کیا خاک آتش عشق نے دل بے نوائے سراج کو
نہ خطر رہا نہ حذر رہا جو رہی سو بے خطری رہی

شمالی ہند کے شعرا میں مرزا مظہر جان جاناں پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اردو شاعری میں مضامین عشق کو صوفیانہ رنگ دیا۔ مرزا مظہر کی تصوف سے وابستگی ان کے کلام میں گہرائی اور معنویت پیدا کرتی ہے:

سحر اس حسن کے خورشید کو جا کر جگا دیکھا
ظہور حق کوں دیکھا خوب دیکھا باضیا دیکھا

تجلی گر تیری پست و بلنداں کو نہ دکھلاتی
فلک یوں چرخ کیوں کھاتا، زمین کیوں فرش ہوجاتی

خواجہ میر درد عارفانہ شاعری کی اس روایت کے امین ہیں جو فارسی صوفی شعرا شیخ فریدالدین عطار، مولانا رومی اور مولانا جامی کے ذریعہ اردو میں منتقل ہوئی۔

میر درد کی شاعری میں عشق حقیقی کا درد مخفی ہے۔ انہوں نے تصوف کے مسائل پر کھل کر بحث کی ہے اور موتیوں کی طرح شاعری میں پرویا ہے۔ جیسے،

ہستی ہے جب تک ہم ہیں اسی اضطراب میں
جوں موج آپھنسے ہے عجب پیچ و تاب میں
آئینۂ عدم ہی میں، ہستی ہے جلوہ گر
ہے موج زن تمام یہ دریا سراب میں
ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے
ماہیتوں کو روشن کرتا ہے نور تیرا
اعیان میں مظاہر، ظاہر ظہور تیرا
ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پاسکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

میر تقی میر صوفی شاعر نہیں ہیں مگر ان کی شاعری میں عارفانہ خیالات بکثرت ملتے ہیں۔ میر کی شاعری دردوغم اور عشق ومحبت کا ذخیرہ ہے۔

عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو
سارے عالم میں بھر گیا ہے عشق

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرّہ ظہور تھا

خواجہ حیدر علی آتش نے لکھنؤ کی رنگین فضا میں رہ کر صوفیانہ زندگی بسر کی۔ آتش کو تصوف سے قلبی لگاؤ تھا اور صاحب حال صوفی تھے۔

کیا کیا نہ رنگ تیرے طلب گار لا چکے
مستوں کو ہوش، صوفیوں کو حال آ چکے
ہستی کو مثلِ نقشِ کف پا مٹا چکے
عاشق نقابِ شاہد مقصود اٹھا چکے
ہوتی ہے تن میں روحِ پیامِ اجل سے شاد
دن وعدۂ وصال کے نزدیک آ چکے
ماسوا تیرے نہیں رہنے کو کچھ یاں باقی
جو ہے فانی ہے، تیری ذات ہے اِلّا باقی

مرزا اسد اللہ خاں غالب کے یہاں مسائل تصوف کو جس قدر فلسفیانہ رنگ میں پیش کیا گیا ہے اس کی مثال اردو شاعری میں نایاب ہے۔ غالب نے فلسفہ تصوف کو فکری سطح پر بلند آہنگی عطا کی۔

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں
دلِ ہر قطرہ ہے ساز "انا البحر"
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں
کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

حضرت علامہ اقبال کا مرد مومن خودی کو بلند کرنے کا پیغام دے رہا ہے۔انہوں نے خودی کا فلسفہ پیش کیا یعنی کامیابی کا راز عرفان ذات میں پنہاں ہے۔بندہ خودی کو دریافت کرلے تو مکاں سے لامکاں تک حجابات اٹھ جائیں گے اور وہ اللہ کا دوست بن جائے گا۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندہ سے پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

وقت کی حقیقت سے متعلق فرماتے ہیں:

این و آن پیدا است از از رفتار وقت
زندگی سریست از اسرار وقت
اصل وقت از گردش خورشید نیست
وقت جاوید است و خور جاوید نیست

ترجمہ: چیزوں میں امتیاز وفرق وقت کی رفتار کے سبب ہے۔زندگی وقت کے رموز میں سے ایک راز ہے۔اصل وقت سورج کی گردش کے سبب سے نہیں،سورج فانی اور وقت لافانی ہے۔

حضرت اقبال کی شاعری عرفانِ ذات،حرکت وعمل،تلاش وجستجو اور شکوہ کے محور پر گردش کرتی ہے کہ آدمی شاہین صفت اور مرد مومن بن جائے۔ان کا کلام عارفانہ خیالات سے مملو(بھرا ہوا) ہے۔علامہ اقبال نے ان افراد پر تنقید بھی کی ہے جو صوفیا کا لبادہ اوڑھ کر عوام میں مایوسی پیدا کرتے ہیں اور لوگوں کو عملی جدوجہد سے دور کردیتے ہیں۔

برصغیر میں تصوف اور اس کی جمالیات کی طویل تاریخ ہے۔صوفیائے کرام کی مستحکم و مضبوط روایت کے ساتھ ادب کی روایت بھی قائم ہے۔خیالات اور تجربات کی آمیزش سے ارفع اور افضل خیالات،اقدار اور تجربات ایک دوسرے میں جذب اور تحلیل ہوگئے یعنی حدود وقیود سے آزاد ہر رنگ ونسل،زبان اور مذہب سے وابستہ لوگوں نے ان سے فیض حاصل کیا۔

صوفیائے کرام کی بدولت ادب میں تصوف اور اس کی جمالیات کے چراغ روشن ہوئے،تصوف نے بولیوں اور زبانوں کو باطن اور روحانی تجربات سے آشنا کیا،خانقاہیں علم ودانش کا مرکز بن گئیں،طول وعرض پر اثرات مرتب ہوئے اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ قائم ہوگیا۔غزلوں اور مثنویوں میں ان صوفیانہ تجربات کی روشنی ملتی ہے۔



حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

﴿علامہ عبدالغفار چشتی﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۴ شوال ۹۷۱ ھ میں ہندوستان کے شہر سرہند شریف میں ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب ۲۸ واسطوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔ اسی طرح آپ نسلاً فاروقی مسلکاً حنفی تھے کیونکہ آپ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کرتے تھے۔ آپ کا اصل نام "شیخ احمد" تھا اور آپ کے والد ماجد کا نام عبدالاحد تھا۔ ایامِ شیر خوارگی میں ایک بار آپ کی طبیعت بہت خراب ہوئی۔ تو آپ کے والد گرامی آپ کو لے کر اس وقت کے بہت بڑے بزرگ شاہ کمال کیتھولی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ حضرت شاہ کمال نے آپ کو گود میں لیا اور آپ کے والد صاحب سے فرمایا "عبدالاحد یہ بچہ بڑی عمر پائے گا اور اپنے زمانے کا بہت بڑا عارف و بزرگ ہوگا"۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر مزید تعلیم مولانا کمال کشمیری سے حاصل کی اور شیخ یعقوب کشمیری سے دورہ حدیث مکمل کیا۔ صرف ۱۷ سال کی عمر میں تحصیلِ علم سے فارغ ہوئے اور درس وتدریس کا کام شروع کیا۔

سلسلہ چشتیہ کا روحانی فیض آپ نے اپنے والد سے حاصل کیا۔ قادری سلسلے کا فیض پیران پیر غوثِ اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا۔

۱۰۰۸ھ میں آپ حج کے ارادے سے چلے اور دہلی پہنچے، وہاں آپ کی ملاقات خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ آپ ان سے بڑے متاثر ہوئے۔ اور ان کے مرید ہو گئے۔ مرشد کامل نے آپ کو درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ صرف دو ماہ میں آپ کو آپ کے مرشد نے نسبتِ نقشبندیہ بالتفصیل عطا کی۔ حج کے بعد آپ واپس سرہند تشریف لے آئے اور خلق خدا کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا چنانچہ اطراف واکناف سے خلقِ خدا آپ کی مرید ہونے لگی، بڑے بڑے حکام وسردار بھی آپ کے مرید ہو گئے۔ آپ نے اپنے خلفاء کو اطرافِ ہند اور بیرونِ ہند تبلیغ کے لیے بھیجا۔ انہی دنوں میں شہنشاہ ہند اکبر کے گرد چند نام نہاد ملاّ اور دیگر مذاہب کے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ اکبر نے

ان لوگوں کے مشوروں پر مختلف مذاہب کے چند اصول لے کر ان سب کا مجموعہ ''دین الٰہی'' کے نام سے جاری کر دیا تھا۔ ان دنوں اس دین کو بڑا عروج حاصل ہو رہا تھا، اس مذہب میں داخل ہونے والے لوگ پیشانی پر قشقہ لگاتے، زنار پہنتے، بادشاہ کو خدا کا اوتار کہتے اور اس کو سجدۂ تعظیمی کرتے تھے، مسجد اور مندر کو (معاذ اللہ) ایک جیسا قرار دیتے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دین الٰہی کی مخالفت کی اور لوگوں کو اس سے بچنے کی تلقین کی۔ اکبر کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے آپ کو مناظرہ کی دعوت دی۔ آپ نے قبول کی۔ مگر اس دن اللہ تعالیٰ (عزوجل) کا عذاب نازل ہوا اور زبردست بارش شروع ہوگئی، دربار اکبری کے سب خیمے اکھڑ گئے۔ کچھ دنوں کے بعد اکبر کی موت واقع ہوگئی تو اس کا لڑکا جہانگیر شہنشاہ ہند بنا۔ اس نے بھی اپنے باپ کے دین کو جاری رکھا۔ جہانگیر کے دور میں بھی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دین کی مخالفت جاری رکھی۔ جہانگیر کے نام نہاد درباری مولوی حضرت کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوگئے اور جہانگیر کے کان بھرنا شروع کر دیئے کہ یہ شخص آپ کی حکومت کے خلاف سازش کر رہا ہے اور بادشاہ کو سجدہ کرنے کو ناجائز کہتا ہے۔ جہانگیر نے آپ کو بلوایا جب آپ دربار میں آئے تو بادشاہ نے سجدہ کرنے کو کہا۔ آپ نے انکار کیا تو اس نے آپ کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا، آپ نے قید میں بھی تبلیغ دین کا سلسلہ جاری رکھا، کافی ہندوؤں نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کر لیا۔

جہانگیر کے دربار میں خانخاناں اعظم اور دیگر امراء حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد تھے، انہوں نے جب جہانگیر کی حضرت پر ظلم وستم کی داستانیں سنیں تو متفقہ طور پر گورنر کابل مہابت خان کو اپنا سربراہ تسلیم کر کے جہانگیر کے مقابلے میں لائے۔ اس نے بادشاہ کو شکست دے کر بادشاہ، وزیر اور ملکہ کو قید کر لیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آنے قید خانے سے مہابت خان کو خط لکھا کہ بادشاہ کو آزاد کر کے بادشاہ کی اطاعت قبول کر لے۔ مہابت خان نے بادشاہ کو رہا کر دیا اور جہانگیر نے دوبارہ تخت سنبھال لیا۔ پھر جہانگیر نے نہ صرف آپ کو رہا کر دیا بلکہ معافی نامہ بھی بھیجا، اس معافی نامہ کے جواب میں آپ نے (ان کے من گھڑت) دین کو ختم کرنے اور دربار میں سجدۂ تعظیمی کے خاتمے کا مطالبہ کیا۔ جہانگیر نے آپ کی

تمام شرائط مان لیں اور اس طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے اُن کے دین کا خاتمہ ہو گیا اور حقیقی دینِ حق اسلام کو پھر سے عروج حاصل ہو گیا۔

بعد میں جہانگیر آپ کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی دین اسلام کے لیے بے حد خدمات ہیں انہی خدمات کے سبب اس دور کے علماء اور مشائخ نے آپ کو ''حضرت مجدد الف ثانی''، یعنی ہزار سال کا مجدد قرار دیا۔ اولیاء اللہ میں بھی آپ کا بلند مقام ہے۔ آپ کے خطوط کا مجموعہ ''مکتوباتِ امامِ ربانی'' کے نام سے اہل علم و دانش کے لیے علم و معرفت کا بیش بہا خزانہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۶۳ سال کی عمر میں ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ بمطابق ۱۶۲۴ء کو وصال فرمایا۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔



زندگی کی حقیقت!!!

آج کا بچہ کل جوان ہو جاتا ہے اور بوڑھا ہو کر مر جاتا ہے۔ کیا کبھی کسی نے سوچا ہے کہ آدمی نے کیا کھویا، کیا پایا ہے؟ بارہ سال عمر تک شعور نہیں آتا۔ شعور کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو والدین کو مستقبل کا فکر دامن گیر ہو گیا جس نے بچہ کے اندر مستقبل کے عدم تحفظ کا احساس اجاگر کرنا شروع کر دیا۔ عدم تحفظ میں سلگتا ہوا بچہ جوان ہوا، جوانی بھری نہیں تھی کہ والدین کی خدمت گزاری کا دور آ گیا۔ ابھی خدمت کے ماہ و سال پورے نہیں ہوئے تھے کہ شادی ہو گئی۔ شادی ہوئی تو بیوی کا اسیر بن گیا۔ بیوی کی زلفوں کی اسیری کا صلہ یہ ملا کہ باپ بن گیا۔ اب دو ذمہ داریاں سر پر آن پڑیں۔ بیوی کی خوشامد اور بچوں کی دیکھ بھال۔ شب و روز کی محنت، دن رات کی کلکل جب عروج پر پہنچی تو سرخ شباب سفید بالوں میں منتقل ہو گیا۔ طنز بھری باتوں سے دل مغموم ہو گیا اور آنکھیں خشک ہو گئیں۔ ابھی سنبھلنے نہ پایا تھا کہ حضرت ملک الموت تشریف لے آئے۔

اپنوں کی طرف دیکھ کر رہ جاتا ہوں
کتنی ہی بڑی بات ہو سہ جاتا ہوں
اپنی ان ہی خشک آنکھوں سے عظیم
ویرانی کا اک افسانہ کہہ جاتا ہوں

سیرتِ امام اہل محبت الشاہ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ

﴿علامہ محمد طارق جمیل قادری، عارف والا﴾

خاندانی پس منظر و نسب نامہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بن نقی علی بن علی بن حافظ کاظم بن محمد اعظم خاں رحمۃ اللہ علیہم۔

آپ کے دادا جناب رضا علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک صوفی بزرگ تھے، آپ نے پوری زندگی زہد وتقویٰ میں گزاری۔ آپ صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ آپ کے والد گرامی مولانا نقی علی خاں صاحب اپنے دور کے متبحر عالم دین تھے۔ آپ بیک وقت عالم، مناظر اور مصنف تھے، آپ کی سب سے بڑی خوبی دشمنانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر شدت تھی۔

(بحوالہ: سوانح اعلیٰ حضرت، از: بدر الدین احمد قادری)

ولادت اور نام مبارک: اعلیٰ حضرت کی ولادت مبارک ۱۰/شوال ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۴جون/۱۸۵۶ء بوقتِ ظہر شہر بریلی میں ہوئی، آپ کا پیدائشی نام "محمد" اور تاریخی نام "المختار" رکھا گیا۔

آپ کے دادا جناب رضا علی خاں صاحب نے آپ کا نام "احمد رضا" رکھا۔ (سوانح اعلیٰ حضرت)

ماہر علوم و فنون: امام احمد رضا ۵۵ علوم پر مہارت رکھتے تھے، جن میں سے اکیس علوم آپ نے اپنے والد مولانا نقی علی خاں صاحب سے حاصل کیے، باقی ۳۴ علوم بغیر استاذ محض خداداد بصیرت سے حاصل کیے۔ علوم کی فہرست درج ذیل ہے:

علم القرآن، علم حدیث، اصولِ حدیث، فقہ (مذاہب اربعہ)، اصولِ فقہ، جدل مہذب، علم العقائد، علم الکلام، صرف، نحو، علم المعانی، علم البیان، علم البدیع، منطق، مناظرہ، فلسفہ، علم تکسیر، علم ہیئت، حساب، علم مدلس، علم ہندسہ۔ یہ علوم آپ نے اپنے والد گرامی سے حاصل کیے..... قرأت، تجوید، سلوک، تصوف، علم اخلاق، اسماء الرجال، سیَر، علم تاریخ، لغت، ادب، جبر و مقابلہ وغیرہ..... (الاجازت المتنیہ)

خداداد صلاحیت: آپ ۱۳ سال ۱۰ ماہ ۵ دن کی عمر میں علوم وفنون حاصل کر کے

فارغ التحصیل ہوئے، اسی دن رضاعت کے متعلق ایک مشکل فتویٰ کا جواب تحریر کر کے والد صاحب کی بارگاہ میں پیش کیا، جو بالکل درست تھا، آپ کی ذہانت دیکھ کر والد گرامی نے مسندِ فتویٰ نویسی آپ کے سپرد کر دی...... (سوانح اعلیٰ حضرت)

امام اہل محبت کی علمی اور سیاسی بصیرت

امام اہل محبت رحمۃ اللہ علیہ سے جب پانی کے متعلق فتویٰ پوچھا گیا تو آپ نے ۷۰ اصفحات پر مشتمل رسالہ بنام "بارق النور فی مقادیر ماء الطھور" تحریر فرمایا، جو فتاویٰ رضویہ جلد نمبر ۱ کی ابتداء میں موجود ہے...... جب ایک خاص سازش کے تحت ہندوستان سے مسلمانوں کو ہجرت کرانے کا منصوبہ بنایا گیا اور کچھ اپنے لوگ بھی بھولے پن کی وجہ سے اس تحریک کا حصہ بننے لگے تو آپ نے "اعلام العلام بان ہندوستان دار السلام" نامی رسالہ لکھ کر غیر مسلموں کی اس سازش کو ناکام بنا دیا۔

ایک اور موقع پر ہندو نے چال چلی کہ انگریز سے قطع تعلق کیا جائے اور مسلمان اور ہندو ایک قوم بن کر رہیں، تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہندو سازش بھانپ گئے، آپ نے ایک رسالہ لکھ کر ہندوؤں کی سازش کو بے نقاب کر کے ناکام بنا دیا۔ (درج بالا رسائل فتاویٰ رضویہ میں موجود ہیں)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ علماء عرب کی نظر میں

علامہ مختار مکی نے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ محسوس ہوتے ہیں۔ نبیرہ امام دحلان مکی فرماتے ہیں کہ پاکی ہے اللہ پاک کے لیے جس نے احمد رضا کے کمالات اور بزرگی کو اس دور کے لیے رکھا، علامہ سید اسماعیل خلیل مکی فرماتے ہیں: کہ اگر اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ کو امام اعظم دیکھ لیتے تو اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں، اور امام اعظم، امام احمد رضا کو اپنے خاص شاگردوں میں شامل فرما لیتے۔

(فاضل عربی، علماء حجاز کی نظر میں، از پروفیسر مسعود احمد رضوی)

وفات: آپ رحمۃ اللہ علیہ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ بروز جمعہ ۲ بج کر ۳۸ منٹ پر مؤذن کے "حی علی الفلاح" کے الفاظ پڑھنے کے دوران اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون (سوانح اعلیٰ حضرت)

مراقبہ......درِّ نایاب

﴿یہ تحریر سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات پر مبنی ہے﴾

مراقبہ کیا ہے......؟ مراقبہ محبت الٰہی کا نام ہے جو مقام حیی وقیوم لازوال کے استغراق کا راہنما" موتوا قبل ان تموتوا" ہے جس سے مقام" موتوا قبل ان تموتوا" (مرنے سے پہلے مر جاؤ) حاصل ہوتا ہے۔ نیز صاحب مشاہدہ، صاحب حضور، صاحب حال واحوال، سیر سرّ اسرار ہوتا ہے اور مجلس محمدی ﷺ سے مشرف ہوتا ہے۔ مراقبہ سے مومن محرم اسرار ہو جاتا ہے اور معرفت الٰہی حاصل کرتا ہے۔ اس کے برعکس دنیادار کا مرقبہ تحت الثریٰ (اسفل سافلین) میں ہوتا ہے۔

مراقبہ کی روح کی طرح روحانیت کی خاصیت رکھتا ہے۔ صاحب مراقبہ پلک جھپکنے سے پہلے ارض وسما، عرش وکرسی اور لوح وقلم کی سیر کر لیتا ہے اور پھر اپنے وجود میں واپس آتا ہے۔

مراقبہ ایسا ہونا چاہیے جس طرح آفتاب کہ جب طلوع ہوتا ہے تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک زمین اور آسمان کو روشن کر دیتا ہے اور ماہتاب کہ اس کی روشنی سے تمام عالم جگمگاتا ہے اور دوسرے ستاروں کی روشنی اس کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے۔

صاحب مراقبہ کا بھی یہی حال ہے کہ جب وہ اپنی آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھتا ہے تو تمام چیزیں سوختہ ہو جاتی ہیں اور صاحب مراقبہ اور حقیقت کے درمیان حجاب نہیں رہتا۔

جو شخص مراقبہ میں دنیاوی معاملات، جاہ ومال، زر وسیم دیکھے تو جان لے کہ یہ مراقبۂ حیوانی، مقام ناسوت سے ہے اور مراقب ابھی دنیا کی محبت میں مبتلا ہے، ابھی تک دنیا پرستی میں پڑا ہوا ہے اور اللہ کے ذکر کا اس پر اثر نہیں ہوا۔ علاج یہ ہے کہ دنیا کے لذات کی طلب اپنے دل سے دور کرے اور اسے ثانوی حیثیت دے۔

اور جو شخص مراقبہ میں باغ و باغیچہ، آب ودریا، سبزہ وبہار، مکانات، بلند وبالا محلات اور حور وقصور مثل بہشت کے دیکھے تو سمجھ لیں کہ ابھی اس کے دل پر میل وکثافت ہے اور دل کا زنگ دور نہیں ہوا۔

مرشد کامل کی نظر کرم کے بغیر قلب کی صفائی نہیں ہوتی۔ خرطوم وخناس شیطانی ابھی تک اس کے دل کے اردگرد موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ابھی تک اصل ذکر سلطانی حاصل نہیں ہوا۔

ذکر خاص یا اصل ذکر کی کیا نشانی ہے......؟

نشانی یہ ہے کہ اللہ کا ذکر خاص زبان پر جاری ہو۔ بجز قال اللہ، قال الرسول ﷺ اور اولیاء اللہ کے ذکر کے زبان پر کوئی دوسرا کلام جاری نہ ہو۔ جس شخص کو ذکر قلب خاص حاصل ہوتا ہے اور دل کی آنکھ کھل جاتی ہے...... وہ اس آنکھ سے اسم اللہ اور ذکر اللہ کے سوا کچھ نہیں دیکھتا، اس کا دل غنی ہو جاتا ہے، دنیا کی محبت اس کے دل میں (مطلق) نہیں رہتی، ظاہری حواس خمسہ بند ہو جاتے ہیں، وہ صاحب کشف القلوب ہو جاتا ہے اور اس کا دل آئینہ کی طرح بے کدورت، صاف اور روشن ہو جاتا ہے۔

جس شخص کو ذکر روحی حاصل ہوتا ہے چشم باطن اس پر روشن ہو جاتی ہے۔ وہ مجلس محمدی ﷺ میں داخل ہوتا ہے اور موتوا قبل ان تموتوا (مرنے سے پہلے مرجاؤ) کا مصداق ہو کر صاحب کشف القبور ہو جاتا ہے اور ہمیشہ مقام حیرت میں رہ کر اللہ تعالیٰ سے عاجزی وخشیت کا اظہار کرتا ہے۔ حسد اور انا دل سے دور ہو جاتی ہے۔

جس شخص کو ذکر سرّی حاصل ہوتا ہے اس پر رموز کھلتے ہیں وہ ازل تا ابد مشاہدہ بین اور صاحب اسرار الٰہی ہو جاتا ہے اور ماہ سے لے کر ماہی تک سب اس کی نظر میں ہوتا ہے۔ صفت بے نیازی سے واقف ہوتا ہے۔ جو شخص مال وزر کے گرداب میں پڑا ہوا ہے اس کا مراقبہ مثل گربہ اہل موش کے ہے۔

خدا از کرم فضلش عبد خوانی
نہ انصاف است تو در عصیان مانی
خدا با تو ترا بین چشم باید
بچشم معرفت حق رو نماید
چہ داند مردہ دل طالب بمردار
ز خود خبری ندارد اہل دیدار

باھو را بس بود آن عشق جانی
نظر لاھوت ساکن لامکانی

ترجمہ: تو اللہ کے فضل و کرم سے اس کا بندہ کہلاتا ہے پھر یہ ناانصافی ہے کہ تو گناہ و معصیت میں پڑا رہے۔ اللہ تیرے ہمراہ ہے مگر تجھے اس کے دیکھنے کے لیے آنکھ چاہیئے (یعنی تجھے چشم بینا چاہیئے)۔ معرفت کی آنکھ سے اللہ کا دیدار ہو سکتا ہے۔ اس بات کو مردار (دنیا) کا طالب مردہ دل (دنیا پرست) کیا جانے؟ اہل دیدار کو تو خود اپنی خبر بھی اس منزل میں نہیں رہتی۔ باھو رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے محبوب حقیقی سے عشق ہے یہی کافی ہے جس سے وہ مقام لامکان میں رہتا ہے اور نظر اس کی مقام ولایت پر رہتی ہے۔

پاک باطن بندے اللہ کو مشاہدہ میں، مراقبہ میں، خودی اور بے خودی میں دیکھتے ہیں۔ ان کا یہ دیکھنا جائز ہے اور اس آیت کریمہ کے موافق ہے۔

خالق کائنات فرماتے ہیں:

''جو اس دنیا میں اندھا بن کر رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا بلکہ راستہ پانے میں اندھے سے بھی زیادہ ناکام''۔ (بنی اسرائیل: ۷۲)

اور یہ آیت بھی اس کی شاہد ہے۔

''اور دیکھو! کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کرو کہ میں کل یہ کام کر دوں گا۔ الا یہ کہ اللہ چاہے۔ اگر بھولے سے ایسی بات زبان سے نکل جائے تو فوراً اپنے رب کو یاد کرو اور کہو۔ امید ہے کہ میرا رب اس معاملہ میں ہدایت فرمائے گا''۔ (الکھف: ۲۳۔۲۴)

جو شخص مراقبہ میں گیا تو گویا وہ خود سے بے خود ہو گیا۔ وہ مقام فنا میں غرق ہو جاتا ہے اور چشم زدن میں اس مقام مراقبہ سے باہر آ جاتا ہے اور جو کچھ اس نے دیکھا اور مشاہدہ کیا ہے اسے یاد نہیں رہتا۔

معلوم ہوا کہ الوہیت عین ذات ہے۔ ان مراتب پر پہنچ کر عاشق دیوانہ ہو جاتا ہے اور اپنی جان سے بیگانہ رہتا ہے جس طرح آگ میں پروانہ۔ اور یہ مراقبہ بھی درمیانہ ہے اور وحدت میں غیر حق سے یگانہ ہے۔ جس طرح کنگھی میں بال الجھ جاتے ہیں، اس مقام میں بھی فقیر خام اور ناتمام رہتا ہے۔

مراقبہ غواص کی طرح کرنا چاہیے کہ وہ جس دم دریا میں غوطہ لگاتے ہیں، موتی نکال لاتے ہیں۔صاحبِ مراقبہ شخص کو بھی ایسے ہی دُرِّ نایاب نکالنے چاہئیں۔اور جو شخص مراقبہ میں جاتا ہے تو خواب و بیداری، مستی و ہوشیاری اور استغراق اس کے اختیار میں ہوتا ہے کہ جب چاہے انبیاء و اولیاء خاص الخاص اور اخص (خاص ترین) کی مجلس میں یا سرِّ توحید میں استغراق حاصل کرے۔اور ہر ایک مراقبہ میں بارہ برس یا چالیس برس تک باطن حضوری میں غرق رہے۔جب مراقبہ سے باہر آئے تو اپنی حالت کے لحاظ سے گویا چشم زدن کا بھی وقفہ نہ گزرا ہو۔اور اس کے لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ آداب محمدی ﷺ کو ملحوظ خاطر رکھے اور شریعت کے آداب کے پیش نظر نماز، روزہ اور دیگر فرائض کو قضا نہ ہونے دے۔جب مراقبہ پختہ اور کامل ہو جاتا ہے تو اس وقت صاحب مراقبہ جہاں چاہے وہاں آنکھ جھپکنے سے پہلے پہنچ جاتا ہے جیسے تیر اپنے نشانہ پر یک دم جا پہنچتا ہے۔

کعبۂ مقصود اگر باشد ہزاران سالہ راہ
نیم گامی ہم نباشد شوق چون رہبر شود

ترجمہ: کعبۂ مقصود دل میں ہو، اور اگرچہ ہزار برس کی راہ کیوں نہ ہو، (لیکن) جب شوق تیرا راہ بر ہو جائے تو وہ نصف قدم کے برابر بھی نہیں ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں جانا ہے''۔(البقرۃ:۱۵۶)

جو شخص صدق دل سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے، دونوں جہان اس کے غلام ہوتے ہیں مگر اس کا دل ان سب سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔وہ صرف اللہ کے دیدار کا مشتاق ہوتا ہے۔

مراقبہ کی تمثیل: مراقبہ آفتاب کے مثل ہے جب آفتاب طلوع ہوتا ہے وقاف سے قاف (ایک کونے سے دوسرے کونے) تک اور مشرق سے مغرب تک روشن ہو جاتا ہے۔ تمام اشیا اس کے پیش نظر ہوتی ہیں در و دیوار، شہر بازار سب اس کو دکھائی دیتے ہیں بلکہ تماشائے شش جہات (چھ سمتیں) اس کے روبرو ہوتا ہے۔اہل تفکر ذات کو نہیں دیکھتے۔اور وہ آنکھ آنکھ نہیں ہوتی جو بجز دوست کے کسی اور کو دیکھے۔

اہل مراقبہ جب ذکر میں مشغول ہوتے ہیں تو برگزیدہ ہستیوں سے ملاقات کرتے

ہیں۔ جس ذکر سے توحید ذات میں غرق ہو کر مقصد حاصل نہ ہو، وہ ذکر نہیں بلکہ حصولِ سیم و زر کے لیے محض ایک رسم ہے۔

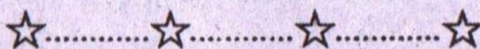
خلوص نیت سے مراقبہ کرنے والے کو شیخ مجلسِ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا دیتا ہے۔ صاحب مراقبہ جب صحیح معنوں میں یک سو ہو جاتا ہے تو اسے ذکر وفکر یاد نہیں رہتا، نہ دم قدم نہ راحت وغم، نہ فقر وفاقہ، نہ نفس و ذائقہ یاد رہتا ہے، نہ حضور مذکور، نہ بعد و دور، نہ قضا و قدر اور نہ حرص و ہوس یاد رہتا ہے۔ بس شوق، ذوق اور محبت رہ جاتی ہے۔ اس مقام پر وہ منزل حاصل کر لیتا ہے۔

مرشد میں چار حروف ہیں۔ اول "میم" سے مراد مردانِ خدا ہونا اور اپنے سے جدا ہو کر یہ مقام حاصل کرنا کہ خادم آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو جانا۔ "ر" سے مراد ماسوائے اللہ کے سب سے روگرداں ہو کر اس کے حکم کے تابع ہو جائے اور صرف اللہ کی توحید کو جائز رکھے۔ حرف "ش" سے مراد شوق قلب با عشق و محبت اور اللہ کے عشق میں محو ہو کر فنا فی اللہ ہو جانا اور اس کی توحید میں عارف باللہ ہونا۔ اور "د" سے مراد عشق حضوری میں دائم یعنی فنا فی اللہ ہونا اور اس کی وحدت میں غرق رہنا۔

طالب کے بھی چار حروف ہیں۔ حرف "ط" سے مراد ہے کہ طالب وہ ہے جو ماسوائے اللہ تعالیٰ کے تمام تعلقات کو ترک کر دے اور "ا" سے مراد الوہیت و ربوبیت کا عرفان یعنی صرف اللہ ہو۔ حرف "ل" سے مراد اس کی درگاہ کے لائق ہونا اور مخلوق سے بے نیاز ہو کر اللہ کا نیاز مند ہونا۔ اور "ب" سے مراد بدی اور بدکاری سے بچنا ہے۔ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک باادب رہنا، اخلاص سے رہنا جس طرح پانی کو آب جُو کے ساتھ اخلاص ہوتا ہے۔

جو شخص یہ احوال نہیں رکھتا وہ نہ مرشد ہے اور نہ طالب بلکہ اس پر نفس غالب ہے۔

مرشد کامل اس کو کہتے ہیں کہ طالب کو ایک نظر میں اس طرح پہچانے جس طرح کسوٹی سے سونا پہچانا جاتا ہے اور جس طرح صرّاف سونے کو اور چابک سوار گھوڑے کو پہچانتا ہے اور جس طرح آفتاب سنگ لعل کو اور عالم علم صرف و نحو کو پہچانتا ہے۔



منافرت کی تباہ کاریاں

﴿ہم اظہارِ حق کے نام پر فتنہ پروری اور غلبۂ دین کے نام پر شرانگیزی کا مظاہرہ کرتے ہیں﴾

اسلام میں ایک دوسرے کے ساتھ تفرقہ، نزاع، فتنہ، فساد، منافرت اور عداوت کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اِسلام اُلفتوں اور محبتوں کو فروغ دینے والا دین ہے۔ مسلمانوں کی سب سے بہترین صفت رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ ہے۔ ایک دوسرے کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا اور خوبیوں کو تسلیم کرنا بقائے باہمی کا بہترین اصول ہے۔ اگر کہیں اصلاح کی ضرورت ہو تو اُس کا یہ طریقہ ہرگز نہیں کہ آدمی ھَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ کی صدائیں لگانا شروع کردے، شیر کی طرح دھاڑنے لگے، بھیڑیے کی طرح غرائے، چیتے کی طرح چیر پھاڑ کرنے لگے اور مگرمچھ کی طرح نگلنے کی کوشش کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم اظہارِ حق کے نام پر فتنہ پروری اور غلبہ دین کے نام پر شرانگیزی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے ہاتھوں میں سوئیوں کے بجائے قینچیاں اور چرخوں کے بجائے ہتھوڑے اُٹھا رکھے ہیں، ہم معمار نہیں، تخریب کار بن چکے ہیں، لوگوں کے چاک رفو کرنے کے بجائے اُنھیں ادھیڑ کے رکھ دیتے ہیں۔ ہم نشتر چبھونا تو جانتے ہیں، مگر مرہم لگانے کے فن سے ناواقف ہیں۔ ہم محبتوں کے بجائے عداوتوں، چاہتوں کے بجائے نفرتوں، دوستیوں کے بجائے دشمنیوں، اُلفتوں کے بجائے کدورتوں کو فروغ دینے والے بن چکے ہیں۔

جب ہمارے قلم لکھتے ہیں تو دوسروں کے سینے میں تیر کی طرح پیوست ہوجاتے ہیں، جب ہماری زبانیں چلتی ہیں تو گاجر مولی کی طرح کاٹ کے رکھ دیتی ہیں، جب ہمارے ہاتھ حرکت میں آتے ہیں تو دوسروں کی عزت و آبرو کو نشانہ بناتے ہیں، جب ہمارے قدم اُٹھتے ہیں تو شرارتوں اور خرابیوں کا راستہ اختیار کرتے ہیں، جب ہمارے دماغ سوچتے ہیں تو سازشوں کے جال بنتے ہیں۔ دندان شکن اور منہ توڑ جواب دینے میں ہم اپنی مثل آپ ہیں۔ ہماری الزام تراشیوں، عیب جوئیوں، قیاس آرائیوں، ہاتھاپائیوں، لعن طعن، سب دشتم، ضرب و حرب، اشارہ و

کنایہ اور تعریض و تقبیح کی داستانیں چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہیں۔

حالانکہ ہمارے ان رویوں کے برعکس اسلام یہ کہتا ہے کہ ہر معاملے میں شائستگی اور عمدگی کو ملحوظِ خاطر رکھنا از حد ضروری ہے، حتی کہ اگر قتال بھی کیا جارہا ہو تو اسلام نے اس کے لیے بھی سخت قسم کی ہدایات اور بہترین قسم کے آداب ارشاد فرمائے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی درجِ ذیل حدیث ہمیں آئینہ دکھانے کے لیے کافی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کچھ لوگ خیر کی چابیاں ہوتے ہیں، جہاں بھی جاتے ہیں خیر کے دروازے کھل جاتے ہیں اور کچھ لوگ شر کی چابیاں ہوتے ہیں، جہاں بھی جاتے ہیں شر کے دروازے کھل جاتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسان بنایا ہے اور اصلاحِ احوال کا باقاعدہ انسانوں والا طریقہ بھی درجِ ذیل آیت کریمہ میں سکھایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ

ترجمہ: دعوت دیجئے اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان کے ساتھ جدال کیجیے ایسے طریقے کے ساتھ جو سب سے زیادہ حسین ہو۔

نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے دعوتِ دین کے اس خوب صورت طریقے کو ترک کر کے انتہائی غلط روش اختیار کرلی ہے۔ ہمارے مذہبی ٹھیکے داروں کے رویے صاف بتاتے ہیں کہ وہ اصلاح کے نام پر اندر کا بغض نکالتے ہیں۔ موافقت کے بجائے منافرت اور اصلاح کے بجائے فساد کو فروغ دیتے ہیں۔ تخیلِ ملکوتی اور جذبہ ہائے بلند کے بجائے مور و مگس پہ نگاہ رکھتے ہیں۔

آج اگر ہم سے سیادت کا تاج چھن گیا ہے اور طاقت صفر ہو کے رہ گئی ہے تو اس کی ایک اہم وجہ ہمارے یہی مناظرانہ رویے ہیں۔ جب ہمارے اوپر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا بھوت سوار ہوتا ہے تو پھر ہم آؤ دیکھتے ہیں نہ تاؤ اور یک بارگی مدِ مقابل پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ ہمارا اصل مقصد احقاقِ حق یا ابطالِ باطل نہیں ہوتا بلکہ سستی شہرت، انا کی تسکین، علمیت کا اظہار،

حصولِ مفاد یا مدِ مقابل کی عزت کو خاک میں ملانا وغیرہ ہوتا ہے۔ ہاں! بعض نادان ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا مقصود فقط اظہار حق ہوتا ہے مگر طریقہ کار وہی عامیانہ اور سوقیانہ ہوتا ہے۔

ہمارے انھی رویوں کی وجہ سے کوئی بھی علمی شخصیت ہمارے پوسٹ مارٹم اور آپریشن وغیرہ سے محفوظ نہیں رہی۔ ہم لوگوں کو اسلام اور سُنّیت میں جوق در جوق داخل کرنے کے بجائے اُنھیں فوج در فوج نکالتے پھر رہے ہیں۔ ہماری خدمت دین کی کل کائنات یہی ٹھہری ہے کہ ہم نے کتنے اہل علم کے ساتھ نیش زنی کی، کتنوں کو ٹھیس پہنچائی اور کتنوں کو دوسروں سے ہٹا کر اپنے پیچھے لگانے کی جدوجہد کی۔ کیا خدمت دین، احقاقِ حق اور علم پروری اسی کو کہتے ہیں۔

ناز ہے طاقتِ گفتار پہ انسانوں کو
بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں ک

یہ ہمارے اپنے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا ہمارے اوپر ہنس رہی ہے۔ ہم لوگوں کے لیے تماشا گاہ بن چکے ہیں۔ ہمیں احساس ہی نہیں کہ ہم نے اپنوں کے ساتھ کھلی مخالفت کا رویہ اپنا کر اپنے آپ کو مذاق بنا لیا ہے۔ ایک دوسرے کا قلع قمع کرنے کے شوق نے ہمیں تر نوالہ بنا دیا ہے۔ جب ہم ایک دوسرے کی پگڑیاں اُچھال رہے ہوتے ہیں تو اُس وقت اپنی اجتماعیت کے بخیے ادھیڑ رہے ہوتے ہیں۔ دشمن ہمارے انہی نزاعات کو لوگوں کے سامنے بطور ثبوت پیش کر کے ہمارے بگاڑ کو طشت از بام کر رہا ہے، مگر ہم ہیں کہ اپنی روش بدلنے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔

اگر ہم کلام الٰہی کے لب ولہجہ، رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ، صحابہ کرام کے طرزِ عمل اور صوفیہ کے طریقۂ تبلیغ کی روشنی میں اپنے رویوں کو ملاحظہ کریں تو شرم سے پانی پانی ہو جائیں۔ اسلاف کے رویوں سے تو ٹوٹے ہوئے جڑتے، بھاگے ہوئے پلٹتے اور کٹے ہوئے ملتے نظر آتے تھے، جب کہ ہمارا رویہ یہ ہے کہ جڑے ہوئے ٹوٹتے، کھڑے ہوئے بھاگتے اور ملے ہوئے کٹتے نظر آتے ہیں۔ جس کی پتنگ ذرا سی چڑھنے لگے ہم فوراً پیچ ڈال دیتے ہیں، جس کی ناؤ تھوڑی سی ابھرتی نظر آئے ہم فوراً ڈبونے کی کوشش کرتے ہیں، جس کی رفتار ہلکی سی بڑھتی نظر آئے ہم فوراً

ٹانگ اُڑا دیتے ہیں۔ کسی کی عزت ہمارے لیے ناقابلِ برداشت اور اس کی تذلیل ہمارے لیے راحتِ جان ہوتی ہے، پھر یہ کوئی ہمارے انفرادی رویے نہیں بلکہ اجتماعی رویے ہیں۔ حیف صد حیف! یہ ہم کس ڈگر پہ چل پڑے۔

یاد رہے کہ شائستگی کے ساتھ علمی اختلاف کوئی اور چیز ہے اور دریدہ دہنی کے ساتھ دوسروں کی عزت کو خاک میں ملانے کی کوشش کوئی اور چیز ہے۔ علمی اختلاف کا ہونا تو دراصل زندہ قوم کی علامت ہے مگر مخالفت کا بازار گرم کر دینا مردہ قوم کی نشانی ہے۔ مزید یہ کہ علمی اختلاف کے ساتھ کچھ اور مصلحتوں کو پیشِ نظر رکھنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جس میں امت کی اجتماعیت، ملت کی وحدت، سیاست کی بقاء، دشمنوں کی شماتت اور جماعتی نظم کا تحفظ وغیرہ شامل ہیں۔ مگر ہم نے ایسی تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر صرف اور صرف دلائل کی سر پھٹول کا نام ہی کل دین رکھ چھوڑا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہماری مناظرانہ ذہنیت نے ہماری سوچنے سمجھنے کی تمام تر صلاحیتوں کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔

علمی اختلافات کو حل کرنے کا سب سے بہترین طریقہ ہے کہ باہم متحد ہو کر ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دے کر ایسے تمام معاملات ان کے سپرد کر دیئے جائیں، وہاں سے جو فیصلہ صادر ہو اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر لیا جائے۔ یہ تو پرلے درجے کی بد تہذیبی ہے کہ ہر ہر مسئلے پر باہمی سر پھٹول کر کے بد نظمی کی انتہا کر دی جائے اور اپنے آپ کو انتہائی حد تک کمزور کر لیا جائے۔ کیا ہم اتنا بھی نہیں جانتے کہ علما کی مخالفت بازی عوام کے لیے وبالِ جان بن جاتی ہے۔ لوگ سخت تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ انہیں کوئی راستہ نہیں سوجھتا اور وہ ہر طرف ٹامک ٹوئیاں مارتے پھرتے ہیں۔

ہدایہ شریف کتاب البیوع وغیرہ اٹھا کر دیکھ لیں، اسلام تو ہر ایسی چیز سے منع کرتا ہے جو مُفضی الی النزاع ہو۔ جہاں تھوڑا سا بھی جھگڑے کا خطرہ ہو، وہاں ہمارا دین فوراً پاؤں بریک پہ رکھ دیتا ہے۔ مگر اس اسلامی فکر اور دینی سوچ کے برعکس ہماری اسپیڈیں اس وقت تک نہیں رکتیں

جب تک دس پندرہ گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ نہ ہو جائیں اور جب تک بیس پچیس ہزار افراد شدید متاثر نہ ہو جائیں۔

اسلام تو ہمیں کافروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیتا ہے، مگر ہم اپنے مسلمان بھائیوں (وہ بھی اہل علم) کے کپڑے اتارنے سے بھی باز نہیں آتے۔ فتنہ وفساد کی ایسی آگ بھڑکاتے ہیں کہ ہر چیز جلا کے بھسم کر دیتے ہیں۔ اگر کسی نے کوئی خلافِ مزاج یا قابل اصلاح بات کہہ دی تو بس پھر اُس کی تو شامت ہی آجاتی ہے۔ ہم تو بزعم خویش حق کا جھنڈا اُٹھائے اِدھر سے اُدھر بھاگتے پھر رہے ہوتے ہیں، مگر دنیا ہم پہ کھڑی ہنس رہی ہوتی ہے۔ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

ہماری حالت اس حد تک ابتر ہو چکی ہے کہ اگر ایک تنظیم پہلے سے کام کر رہی ہو تو اُس میں رخنہ ڈال کر بالکل اسی نام کے ساتھ دوسری تنظیم بنا لیتے ہیں، اور وہ بھی ایک دو نہیں، سابقوں لاحقوں کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ دس دس تنظیمیں وجود میں آجاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد ان کے باہمی مقابلے شروع ہو جاتے ہیں۔ ذہنی پستی کا عالم یہ ہے کہ تقسیم در تقسیم اور تفریق در تفریق کے اس عمل کو دین کی ترقی اور کام کی تیزی کا سبب قرار دیا جاتا ہے۔

ہمارا مزاج یہ ہے کہ ہم میں سے ہر فرد اپنی بڑائی چاہتا ہے اور دوسرے کی بڑائی کا انکار کرتا ہے، ہم اتحاد کا نام تک سننا پسند نہیں کرتے، سمع وطاعت کلیتاً مفقود ہے، نظم کے بجائے بدنظمی کا ذہن ہے، شورائیت کے بجائے من مانی کی عادت ہے۔ ہمارے ہاں بڑائی کا معیار اہلیت نہیں، بڑوں کی اولاد ہونا ہے۔ جس کو جیسے تیسے بڑائی مل گئی وہ وہیں جم کے بیٹھ گیا، اب وہ باقی سب کو یا تو اپنا غلام سمجھتا ہے اور یا پھر شمشیر بے نیام سمجھتا ہے۔ اگر کوئی شخص جمود کے بجائے تحقیق کا راستہ اختیار کرتا ہے تو سارے روایت پسند اس کے خلاف صف آرا ہو جاتے ہیں۔ علامہ اقبال نے ہندی مسلمان کی اسی نفسیات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا:

تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا

ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد

اسلام نے بڑوں چھوٹوں سب کے لیے کچھ حدود و قیود مقرر فرمائی ہیں۔ نہ بڑے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آدمی چھوٹوں کو چھوٹا سمجھنا شروع کردے اور نہ ہی چھوٹے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آدمی بڑوں کو بڑا ہی نہ سمجھے۔ سب کے حقوق ہیں، سب کی عزتِ نفس ہے، سب کے لیے ضابطہ اخلاق ہے۔ اگر کوئی شخص بڑا ہو تو وہ رسول اللہ ﷺ کے اُس واقعہ سے سبق حاصل کرے اور سب کو ساتھ لے کر چلے، جب حضور ﷺ کو کعبۃ اللہ دیواروں میں حجرِ اسود نصب کرنے کے لیے بالاتفاق منتخب کرلیا گیا تو آپ نے حجرِ اسود کو چادر میں رکھ کر سب کو اٹھانے کا حکم دیا اور پھر خود اسے دیوارِ کعبہ میں نصب فرما دیا۔

یہ ہے سب کو ساتھ لے کر چلنے کا طریقہ، مگر ہم اس ذہنیت سے عاری ہیں، نہ ہم کسی کے ساتھ چل سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا ہمارے ساتھ چل سکتا ہے۔ ہمیں اپنے اس رویے کو بدلنا ہوگا اور سب کو ساتھ لے کر چلنا ہوگا۔ اگر ہم دوسروں کی حیثیت کو تسلیم کریں گے تو ہماری بڑائی بھی قائم رہے گی اور اگر ہم دوسروں کی حیثیت کو ماننے سے انکار کردیں گے تو پھر ہماری بڑائی بھی جاتی رہے گی، اس کے بعد صرف چند مخصوص خوشامدیوں، مفاد پرستوں اور عقیدت مندوں کا ایک ٹولہ ہمارے ساتھ رہ جائے گا اور ہم اپنے نفس کو اُن کے درمیان مطمئن پائیں گے۔

یہاں ایک عظیم بزرگ کا درجِ ذیل اقتباس ہماری آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہونا چاہیے، وہ فرماتے ہیں:

"ہمارے زمانے کے اہلِ علم اپنی شکل وصورت، لباسِ فاخرہ اور پُرکشش سواریوں کی سجاوٹ و خوبصورتی میں لگے رہتے ہیں، اگر ان کے باطن پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح کسی پہاڑ کے گرنے سے موت کا خوف ہوتا ہے اسی طرح ان کے دلوں میں رزق اور مخلوق کا خوف بھرا ہوتا ہے، انہیں یہ ڈر بھی لگا رہتا ہے کہ کہیں لوگوں کے دلوں سے ہماری عزت ومقام کم نہ ہوجائے۔

نیز اپنی تعریف پر خوشی و مسرت، اقتدار کی محبت، بلندی چاہنا، ظالموں اور مال داروں کی خوشامد کرنا، غریبوں کو حقیر جاننا، فقر سے دور بھاگنا، مقام حق میں بڑائی مارنا، اپنے مسلمان بھائی سے کینہ اور بغض و عداوت رکھنا، ذلت کے خوف سے حق و سچ کو چھوڑ دینا اور بولنے میں پنی خواہش کے پیچھے چلنا، دنیا کی رغبت اور حرص ہونا، بخل و کنجوسی کرنا، لمبی اُمیدیں باندھنا، اِترانا اور اکڑنا، دل میں کھوٹ ہونا، دھوکا دہی فخر کرنا، ریا کاری، شہرت چاہنا، مخلوق کی عیب جوئی، چاپلوسی کرنا، خود پسندی، مخلوق کے لیے زیب و زینت، شیخی بھگارنا (یعنی ڈینگیں مارنا)، تکبر کرنا، دل کے دھوکے اور سختی و بے رحمی کا شکار ہونا، اکھڑ مزاج ہونا، سختی و بد اخلاقی سے پیش آنا، تنگ دل ہونا، مال ملنے پر خوش اور جانے پر غمگین ہو جانا، قناعت اختیار نہ کرنا، دوسرے کے کلام میں طعن کرنا، معاملات میں تلخی و سختی اپنانا، اوچھا و کم ظرف ہونا (یعنی غیر سنجیدہ ہونا اور بے ہودگی کرنا)، عجلت پسند ہونا، شدت و غصہ کرنا، رحمت و شفقت کی کمی ہونا، محض اپنی عبادت پر بھروسہ کرنا اور نعمتوں کے چھن جانے سے بے خوف ہونا، فضول گفتگو کرنا، مخفی خواہشات کا شکار ہونا (جن کو صرف عقل و بصیرت والے ہی پہچانتے ہیں)، عزت و مرتبہ کی خواہش ہونا، مسلمانوں کو بظاہر بھائی کہنا اور دل میں عداوت رکھنا، اپنی بات ٹھکرائے جانے پر غصہ ہو جانا، لوگوں کے لیے مبالغہ آرائی کرنا، صرف اپنی فتح و جیت کی کوشش کرنا، مخلوق سے اُنسیت ہونا جب کہ حق تعالیٰ سے وحشت ہونا، غیبت، حسد، چغلی، ظلم اور زیادتی کرنا ان کی عادتوں میں شامل ہے۔

یہ گندگی اور کوڑے کے وہ ڈھیر ہیں جن میں ان کے باطن ملوث ہیں اور ان کے ظاہر کو دیکھو تو نماز، روزہ، دنیا سے بے رغبتی اور اچھے اعمال کی بہت سی اقسام نظر آتی ہیں۔ پس جب بارگاہِ الٰہی میں ان امور سے پردہ اٹھے گا تو یہ ایک کوڑا خانہ کی مانند ہوں گے۔

یہ ہے وہ ریا کار و چاپلوس علم والا جو اپنی خواہشات کے لیے تصنع و بناوٹ اختیار کرتا ہے اور ایسا شخص اپنے عمل میں مخلص نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا نفس شہوت کی آگ میں جکڑا ہوا اور دل

نفسانی خواہشات سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور یہ تمام کے تمام عیب ہیں اور غلام میں اگر عیبوں کی کثرت ہو جائے تو اس کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔

انہی معاملات کو دیکھ کر علامہ اقبال نے کہا تھا:

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبطِ سخن کر نہ سکا
حق سے جب حضرت مُلّا کو مِلا حکم بہشت
عرض کی مَیں نے الٰہی مری تقصیر معاف!
خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لب کشت
نہیں فردوس مقام جدل و قال و اقوال
بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت
ہے بدآموزی اقوام و مِلل کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد، نہ کلیسا، نہ کُنشت

☆..........☆..........☆..........☆

مجھ میں کیا "**میں**" باقی ہے......؟

دل میں خواہ دیا سلائی ہی کیوں نہ رکھی ہو مگر جب تک رگڑی نہیں جاتی، آگ پیدا نہیں ہوتی، لکڑی سے اگر لکڑی کو خوب رگڑیں تو اس میں بھی آگ پیدا ہو جاتی ہے مگر ہر سلائی سے ایسا نہیں ہوتا۔ یہ ریاضت کی رگڑ ہے۔ یہ من و تو کی رگڑ ہے۔ میں خارج تو داخل۔ باطن روشن ہو جاتا ہے، ماوراسب آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ کبھی اس بات کا خیال نہ کرنا کہ ہم کہاں پہنچے، کس مقام پر ہیں یا کیا ملا۔ صرف اس بات کو دیکھنا کہ مجھ میں کیا "میں" باقی ہے؟ حق کو پانے کا یہی راز ہے۔

مولی کا نمک

مولی کا شمار کثیر الفوائد سبزیوں میں ہوتا ہے اور یہ سارا سال دستیاب ہوتی ہے۔ مخصوص بو اور ذائقہ کی وجہ سے اکثر لوگ استعمال سے گریز کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ بھی ہے کہ اکثر وہ غذائی اشیا جو کھانے میں مرغوب نہیں ہوتیں، بے شمار غذائی و طبی فوائد کی حامل ہوتی ہیں۔ مولی بھی ایسی ہی سبزی ہے جو کھانے کے لحاظ سے بے رغبت لیکن فوائد کے لحاظ سے عمدہ ہے۔

مولی میں تقریباً 95 فیصد پانی، 3.4 فیصد کاربو ہائیڈریٹس، 0.1 فیصد چکنائی، 0.68 فیصد لحمیات (پروٹین) کے علاوہ معدنی اجزا جیسے نمکیات، آئرن، فاسفورس اور کیلشیم شامل ہیں۔ وٹامن اے، بی اور سی بھی مولی میں موجود ہیں۔

عام طور پر لوگ اسے بطور سبزی پکا کر استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سلاد میں بھی شامل کی جاتی ہے۔ مولی کو کدوکش کر کے اور اس کے پتوں کو باریک کاٹ کر حسب ذائقہ نمک ملایا جائے تو کھانے میں لذیذ ہے۔ مولی کے پتے بہت افادیت کے حامل ہیں۔ پکا کر استعمال کیا جائے تو پیٹ کے امراض خصوصاً قبض اور بواسیر میں موثر ہیں۔

مولی اور مولی کے پتے کسی بھی شکل میں یعنی پکا کر، کچے یا جوس کی شکل میں طبی افادیت کے حامل ہیں۔

مولی میں چونکہ 95 فیصد پانی پایا جاتا ہے اس لیے یہ بدن کی صفائی کرتی ہے اور پیشاب آور ہے۔ اس میں سلفر کا جزو جراثیم کو ہلاک اور بدن کو زہریلے مواد سے صاف کرتا ہے۔ حکما اس کے پیشاب آور اثرات کی وجہ سے مثانہ اور گردہ کی پتھریوں کے اخراج میں مدد کے لیے دیگر ادویات کے ساتھ استعمال کو موثر گردانتے ہیں۔

دوسرا اہم استعمال جگر کے امراض میں کیا جاتا ہے۔ یرقان اور دیگر امراض جگر میں مولی کو کاٹ کر رات کو شبنم میں رکھ دیں اور صبح استعمال کریں۔ جگر کے امراض میں ایک اور آزمودہ نسخہ کے مطابق مولی کے سبز پتے رات کو شبنم میں رکھیں اور صبح اس کا جوس بنا کر بالغ مریض آدھا لیٹر تک وقفہ وقفہ سے استعمال کرے تو تقریباً 10 دن میں شفا ملنا شروع ہو جاتی ہے۔

نظام ہضم اور مولی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ گیس تبخیر معدہ اور قبض وغیرہ کے لیے مولی...... جوس، اچار سلاد اور سبزی کے طور پر ہر طریقہ سے موثر ہے۔

مولی میں چونکہ پانی کے ساتھ سلفر بھی خاصی مقدار میں موجود ہے اس لیے جلد کے لیے مفید ہے۔ خارش اور خون کی خرابی کے باعث عمومی جلدی تکالیف، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں چہرہ پر دانوں کو ختم کرنے کے لیے از حد فائدہ مند ہے۔ ان مسائل میں جوس کے ساتھ مولی کا ملیدہ بنا کر چہرہ پر لگایا جاتا ہے، بعد میں تازہ پانی سے دھولیں۔

حکما کے مطابق مولی کا رس اور تل کا تیل ہم وزن ملا کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ رس جل جائے تو تیل کو چھان لیں۔ اس کے بعد نیم گرم تیل کے چند قطرے وقفہ وقفہ سے کان میں ڈالنے سے کان کا درد اور دوسری بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔

حضرات و خواتین کے خصوصی امراض میں بھی مولی مفید پائی گئی ہے۔ اس کے بیج حیض کی بے قاعدگی کو معمول پر لانے میں مدد کر سکتے ہیں۔ ایک نسخہ کے مطابق بیجوں کا سفوف یا بیجوں کو رات بھر پانی میں رکھ کر صبح محلول بنا کر استعمال کریں۔ خوراک کی مقدار کے لیے کسی سند یافتہ حکیم سے رجوع کرنا چاہیے۔

حضرات توانائی و قوت کے لیے مولی کے رس میں گاجر، ٹماٹر اور بند گوبھی کا رس مرکب شکل میں تقریباً 250 ملی لیٹر تک لیں اور اس میں 10 ملی لیٹر خالص شہد شامل کریں۔ محلول کو تقریباً 30 سے 45 دن مسلسل استعمال کرنے سے بدن میں چستی و توانائی حاصل ہوگی۔ مولی چونکہ دیر ہضم ہے اس لیے اس کے ساتھ نمک، ٹماٹر، ادرک کے ٹکڑے، لیموں کا رس اور کوئی چورن وغیرہ استعمال کریں۔

ماہرین راہنمائی کرتے ہیں کہ مولی بطور سبزی استعمال کی جا رہی ہو یا دوا کے طور پر، رات کے وقت استعمال نہ کریں، استعمال کا صحیح وقت سورج نکلنے کے بعد ہے۔ خالی پیٹ کھانا معدہ کے لیے نقصان دہ ہے۔

مولی کا نمک نہایت کارآمد دوا ہے۔ بے شمار امراض کا علاج ہے۔ تیاری کا طریقہ یہ ہے کہ بڑی اور پختہ مولیاں پتوں سمیت دھو کر صاف کر کے باریک کاٹ لیں اور دھوپ میں خشک کر لیں۔ خشک ہو جانے پر کڑاہی میں جلا لیں۔ جل جانے اور راکھ ٹھنڈی ہو جانے پر اس میں پانی ملا کر خوب ہلائیں اور تین چار روز تک دن میں کئی دفعہ ایسا کریں۔ چوتھے روز پانی علیحدہ کر لیں اور نیچے کی راکھ پھینک دیں پھر اس پانی کو پکائیں۔ جب پانی سوکھ جائے تو برتن کھرچ کر شیشی میں بھر لیں، یہ مولی کا نمک ہے۔ یرقان، دمہ، نزلی زکام اور پرانی کھانسی میں مفید ہے۔

ماہنامہ محی الدین حاصل کرنے کیلئے رابطہ نمبرز

حاجی محمد الیاس صدیقی (لاہور)	0300-9431346
محمد عامر شہزاد صدیقی (خانیوال)	0303-7866993
قیصر سبحانی صدیقی (کڑیانوالہ ضلع گجرات)	0301-6200622
خلیفہ محمد اعظم صدیقی (ساہیوال)	0333-6917467
محمد محسن صدیقی (مانانوالہ)	0300-8850124
خلیفہ محمد صدیق صدیقی (ہزاری شریف آزادکشمیر)	0345-7679375
خلیفہ علامہ فیض الحق صدیقی (چڑھوتی آزادکشمیر)	0346-5188653
خلیفہ برکت حسین صدیقی (کہوٹہ)	0300-9146279
محمد نصیب بٹ صدیقی (گوجرخان)	0345-5585090
خلیفہ محمد شریف ڈار صدیقی (لاہور)	0321-4849639
خلیفہ نذیر خان صدیقی (سیالکوٹ)	0347-7863232
علامہ ضیاء الرحمان صدیقی (سیالکوٹ)	0334-4712874

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

خبردار! بے شک اللہ کے اولیاء کو کسی قسم کا خوف ہے نہ غم

محافلِ ذکر

سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ
منبع انوار و تجلیات، مرکز فیوض و برکات، سلطان الاولیاء

امام ربانی منور الف ثانی
حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی
مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

اعلیٰ حضرت
امام اہلسنت مجدد دین و ملت
شیخ الاسلام والمسلمین
امام الشاہ احمد رضا خان قادری حنفی رحمۃ اللہ علیہ
فاضل بریلوی

بفیضانِ نظر

آفتاب علم و حکمت، واقف رموز حقیقت، سرتاج الاولیاء
مرشد کریم علامہ حضرت پیر محمد علاؤالدین صدیقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ سرپرستی

وارث نسبت صدیقیہ، عالمی مبلغ اسلام، حضرت علامہ
خواجہ پیر محمد نور العارفین صدیقی صاحب مدظلہ العالی
سجادہ نشین: دربار فیضبار نیریاں شریف، چیئرمین: علاؤالدین صدیقی ٹرسٹ

تلاوت قرآن مجید

حافظ وقاری محمد احمد صدیقی

نعت خوان حضرات

زینت بزم حسان لیاقت حافظ علی صدیقی صاحب
ثناء خوان رسول محمد بابر صدیقی صاحب
ثناء خوان رسول محمد احسن صدیقی صاحب
ثناء خوان رسول محمد حمزہ صدیقی صاحب
ثناء خوان رسول محمد تنویر صدیقی صاحب
ثناء خوان رسول محمد اسلم صدیقی صاحب

بیان — ذکر — دعا

علامہ حافظ محمد عدیل یوسف صدیقی صاحب

خلیفہ مجاز: دربارِ عالیہ نیریاں شریف
پرنسپل: صدیقیہ قرآن اکیڈمی
مدیر اعلیٰ: ماہنامہ محی الدین فیصل آباد

بتاریخ: 19 اکتوبر جمعۃ المبارک بعد نماز عشاء
بمقام: رہائش گاہ محمد وقاص بھائی، ندیم کیفے والی گلی ستیانہ روڈ

بتاریخ: 21 اکتوبر اتوار صبح 8 تا 10 بجے
بمقام: صدیقیہ قرآن اکیڈمی 186 گلشن کالونی صدیقی سٹریٹ میلاد روڈ

بتاریخ: 26 اکتوبر جمعۃ المبارک بعد نماز عشاء
بمقام: رہائش گاہ محمد ذوالفقار سلطانی کلیم شہید کالونی نمبر 2 ثریا مجید روڈ

بتاریخ: 27 اکتوبر ہفتہ بعد نماز عشاء
بمقام: رہائش گاہ محمد بابر صدیقی گلی نمبر 11 بازار نمبر 3 رضا آباد

بتاریخ: 3 نومبر ہفتہ بعد نماز عشاء
بمقام: رہائش گاہ محمد اظہر صدیقی - الیاس پارک بالمقابل کمال آباد قبرستان

تمام محافل کا دورانیہ 2 گھنٹے ہوگا
ہر محفل کے اختتام پر لنگر شریف تقسیم کیا جائے گا

خواتین کیلئے باپردہ انتظام ہے

الداعی: خدام علاؤالدین صدیقی ٹرسٹ انٹرنیشنل

0300-7220321 0321-7611417 0300-9658492